کرنیں

مدرسہ کا نظم تعلیم...... چند گذارشات

مدیر کے قلم سے

دینی مدارس میں تعلیمی سال کا آغاز ہے، نئے داخلے نئے عزم کے ساتھ شروع ہیں جہاں شوال کے آخر آخر تک اسباق کی باقاعدہ ابتدا ہو جاتی ہے، دینی مدارس کے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے بحمد للہ ان کی طرف قوم کے نونہالوں کا اسی قدر رجحان بڑھ رہا ہے، جہاں فی درجہ دس طلبہ بمشکل ہوا کرتے تھے اب وہاں یہ تعداد سو تک پہنچ رہی ہے۔ مشہور اور معیاری اداروں میں طلبہ کا اس قدر ہجوم ہے کہ آنے والوں کی اکثریت گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو جاتی ہے۔ نئے تعلیمی سال کے آغاز کی اس مناسبت سے نصاب اور نظام کے حوالے سے چند گذارشات پیش خدمت ہیں، امید ہے مدارس کے ارباب حل وعقد ان پر غور فرمائیں گے:

❶...مدارس کے نصاب کا بنیادی ڈھانچہ تو وہی درس نظامی والا ہے جو برصغیر کی تعلیمی درس گاہوں میں گذشتہ تین صدیوں سے رائج ہے، البتہ وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، پاکستان میں دینی مدارس کے سب سے بڑے ''بورڈ وفاق المدارس'' کی مجلس عاملہ نے بھی گذشتہ سال چند تبدیلیاں کی ہیں، وفاق المدارس کے تحت چونکہ ہر تعلیمی مرحلے کے صرف دوسرے سال کا امتحان ہوتا ہے، اس لیے اس بات کی گنجائش مدارس کے لیے رہ جاتی ہے کہ وہ غیر وفاقی سال میں وفاق کے نصاب سے ہٹ کر کچھ کتابیں اپنے ہاں رکھنا چاہیں تو رکھ سکیں، چنانچہ کئی مدارس میں اس طرح کی کتابیں داخل درس ہیں، جو وفاق المدارس کے مرتب کردہ نصاب میں نہیں، پاکستان کے دیہی علاقوں کے مدارس میں منطق وفلسفہ اور فلسفیانہ موشگافیوں کی حامل دوسری فنون کی کتابوں کے لیے بڑا شدید اعتقاد پایا جاتا ہے۔ اس اعتقاد کی وجہ ان کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہونے والی پختہ صلاحیت بتلائی جاتی ہے، مثلاً وفاق المدارس نے منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' نصاب سے خارج کر دی ہے، لیکن یہ کتاب چونکہ مرحلہ عالیہ کے غیر وفاقی سال میں ہے اس لیے کئی مدارس میں داخل درس ہے، یہ ایک الگ بحث ہے کہ یونانی منطق وفلسفہ ہی کی کتابوں کو استعداد حاصل کرنے کا ذریعہ کیوں سمجھا جاتا ہے، یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی اپنے علم وتجربے کی بنیاد پر بعض کتابوں کو داخل نصاب کرنا چاہے تو وفاق المدارس کے ساتھ ملحق ہونے کے باوجود اپنے مدرسہ کے نصاب میں ان کے لیے گنجائش نکال سکتا ہے۔

❷...مدرسہ میں نظم تعلیم کو قائم رکھنے کے لیے اسباق کی حاضری اور تکرار ومطالعہ کی پابندی بہت ضروری ہے۔ برصغیر کے دینی مدارس کے نظام تعلیم کے یہ تین بنیادی اجزاء ہیں ان میں کسی بھی جزء کی طرف توجہ کم ہوگی اسی قدر

نظامِ تعلیم کمزور ہوگا... درس کی حاضری کے سلسلے میں استاذ اور طلبہ کا اہتمام پہلا عنصر ہے جو بہتر نظامِ تعلیم کے قیام کے لیے ضروری ہے، اگر اس عنصر پر مدرسہ کی انتظامیہ کی گرفت ڈھیلی ہو تو وہاں کا نظامِ تعلیم اسی قدر کمزور ہوگا، جہاں اس کا اہتمام نہیں ہوتا، ان مدارس میں کتابیں آدھی آدھی رہ جاتی ہیں اور نصاب کا درس مکمل ہونے نہیں پاتا، بہتر نظامِ تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ کتاب کا کچھ حصہ پڑھانے اور کچھ چھوڑ دینے کا معمول یا درس میں حاضری سے متعلق لاابالی پن کے تصور کی بیخ کنی کی جائے... مدرسہ کے نظمِ تعلیم کا دوسرا بنیادی جزء مذاکرہ و تکرار ہے ''تکرار'' کا لفظ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے، دن کے پڑھے ہوئے اسباق کو مغرب یا عشاء کے بعد اپنے ہم جماعت ساتھیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر دہرانے کو ''تکرار'' کہا جاتا ہے، مذاکرہ اور تکرار سے جہاں پڑھا ہوا سبق اچھی طرح یاد اور سمجھ میں آجاتا ہے، وہاں اس سے تدریس اور پڑھانے کی از خود مشق و تمرین بھی ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات کو یہ شکایت رہتی ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کو طریقہ تعلیم کی تربیت نہیں دی جاتی اور وہ اس تربیت کے بغیر ہی ''استاذ کے منصب'' پر فائز ہو جاتے ہیں، جب کہ اسکولوں اور کالجوں میں باقاعدہ ٹیچنگ کورس ہوتا ہے۔

لیکن یہ شکایت ان لوگوں کو تو بجا طور پر ہو سکتی ہے جن کا مشاہدہ ایسے مدارس تک محدود ہے، جہاں مذاکرہ اور تکرارِ اسباق کا اہتمام نہ ہو اور جہاں سبق میں حاضری لگانے کے بعد طلبہ سائیکلوں پر سوار ہو کر اپنی خارجی سرگرمیوں میں مشغول ہو جاتے ہوں، ورنہ جس طالب علم نے کئی سال تک دن میں پانچ چھ مختلف اساتذہ کے پڑھائے ہوئے سبق کو روزانہ رات کو اسی انداز میں دہرانے، بیان کرنے یا سننے کی پریکٹس کی ہو، اسے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مزید ٹیچنگ کورس کی آخر کیا ضرورت رہ جاتی ہے، اس لیے مذاکرہ اور تکرارِ اسباق کا نظم جس قدر مضبوط ہوگا، اسی قدر نظامِ تعلیم کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔

③... نظمِ تعلیم و تربیت کا معیار بہتر بنانے کے لیے یہ بات بھی انتہائی اہمیت رکھتی ہے کہ طلبہ کے اندر مطالعہ کا شعور اور جذبہ پیدا اور بیدار کیا جائے، داخلِ درس کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ خارجی مطالعہ کا ذوق و رواج تعلیم و تربیت کی فضاء کو سازگار بنانے میں بہت معاون ہے، کہا جاتا ہے کہ مدارس سے خطیب و امام، مدرس و محقق تو پیدا ہو رہے ہیں لیکن ایسے ''مفکرین'' یہاں سے نہیں نکل رہے ہیں جو اسلام کی ابدی صداقتوں کو عصرِ حاضر کے مزاج و اسلوب میں جدید مفکرانہ انداز سے پیش کر سکیں، ہمارے خیال میں خارجی مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے سے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے کہ مطالعہ ہی سے فکر و نظر کی راہیں کھلتی اور تجربے و مشاہدے کو وسعت ملتی ہے، تاہم مطالعہ دو دھاری تلوار ہے اور بے لگام ہو کر مطالعہ کے میدان میں دوڑ لگانے سے نقصان بھی ہو سکتا ہے، اس لیے خارجی مطالعہ کا سفر ایسے صاحبِ بصیرت اساتذہ کی نگرانی اور رہنمائی میں ہونا چاہیے جو عمر اور تعلیم کے مختلف مراحل میں مناسب کتابوں اور موضوعات کا انتخاب کر سکیں، انسان کی عمر و شعور کے تدریجی مراحل ہوتے ہیں، خارجی مطالعہ کا ارتقائی سفر بھی ان ہی

مراحل کی مناسبت سے تدریجاً ہو تو مفید رہتا ہے، ورنہ بسا اوقات نقصان دہ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

❹...تقویٰ، ادب، محنت ان تین چیزوں کو دینی مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کا ماٹو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، یہ تینوں چیزیں یہاں کا حاصلِ نظم ہیں اور ان ہی کے گرد ان مدارس کی تعلیم وتربیت کی ایمان پرور تاریخ گھومتی ہے، اوپر بیان کردہ اُمور درس، مطالعہ، مذاکرہ وتکرار محنت کے زمرے میں آتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ وادب بھی یہاں کے نظام تعلیم وتربیت کا وہ حاصل ہیں جو ان مدارس کو دوسرے تعلیمی اداروں سے ممتاز کرتا ہے، جہاں دل کے اندر اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، گناہوں اور معاصی سے بچنے کا اہتمام ہوتا ہے، عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اساتذہ، ساتھیوں اور آلاتِ علم کے، ادب واحترام کی اسلامی تہذیب کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے...اب عصری اداروں کی کھڑکیوں سے کچھ ناموافق ہوائیں آنے لگی ہیں اور تربیت کا یہ نظام متاثر ہونے لگا ہے۔

دینی مدارس میں استاذ وشاگرد کے مقدس رشتے کا ادب واحترام، اب بھی عصری تعلیمی اداروں کے مقابلے میں بہت نمایاں ہے، گذشتہ دنوں چند صحافی اور دانشوروں نے مدارس کی اس خوبی کو بھی ہدف تنقید بنایا اور اعتراض کیا کہ مدارس میں طلبہ اپنے اساتذہ کے خادم وغلام ہوتے ہیں اور طلبہ سے خدمت لی جاتی ہے...یہ سوچ اسی طبقے کی ہوسکتی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے نظام تعلیم کی تربیتی روح سے ناواقف ہے، اسلام کے نظام تعلیم میں اپنے اساتذہ کی خدمت باعث عار نہیں، بلکہ باعث فخر وامتیاز ہے اور طالب علم کے لیے یہ ذلت نہیں بلکہ ایک ایسا رُتبہ اعزاز ہے جس کی ترجمانی حضرت علیؓ کی طرف منسوب ایک مشہور قول میں کی گئی ہے کہ ''میں نے جس سے ایک حرف بھی سیکھا میں اس کا غلام ہوں''۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے پسماندہ اور مرعوب ذہن کے ان صحافیوں اور دانشوروں کو فرنگ کے اس طبقاتی نظام میں کوئی برائی نظر نہیں آتی جس میں ایک کلرک اپنے باس کے آنے پر منجمد کھڑا ہو کر سلیوٹ کرتا ہے اور اسے ناک پر بیٹھی مکھی اڑانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی، اس کے دل میں صاحب کے لیے ہزاروں نفرتیں کیوں نہ ہوں، لیکن وہ بندۂ آزاد، زرخرید غلام بن کر یہ ادائے بندگی بجالاتا رہتا ہے...اسے طبقاتی نظام کے ڈسپلن کا حصہ سمجھ کر ہضم کرنے والوں کو معلوم نہیں، استاذ کا ادب واحترام غلامی کیوں سجھائی دے رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ادب واحترام کے بغیر دین کا کوئی طالب علم کبھی فیضیاب نہیں ہوسکتا، دنیوی اور مادی علوم کی بات دوسری ہے، وہاں محنت سے مہارت کا ایک مقام حاصل کیا جاسکتا ہے اور ترقی کی منزلیں طے کی جاسکتی ہیں لیکن علوم نبویہ کا طالب علم اگر بے ادب ہو تو سدا بے فیض ومحروم رہے گا کہ:

بلبلوں کا صبا! یہ مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو، یہ تیرا باغ نہیں ہے

☆☆☆